المنار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ

—— قرآن کریم ۔ سورۃ اعراف ——

روشنی اور رفعت کا نشان

المنار

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

جلد ۷	مئی، جون ۱۹۵۸ء	شمارہ ۳-۴

نگران

شیخ محبوب عالم خالد ایم۔اے

مدیر

لطف الرحمن محمود

پبلشر:۔ اے۔آر جنید ہاشمی —— مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

جھلک

مستقل کالم :-

اداریہ ——— } مدیر
جائزے ———

مقالات :-

تقویٰ کا بلند مقام ——— حضرت صاحبزادہ مرزا البشیر احمد ایم۔اے
ظاہر و باطن ——— پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن ایم۔اے

مضامین :-

کم گوئی ——— م۔ش
شرمیلا پن ——— حمید احمد بھٹی

افکارِ عالیہ :-

"جو مزا داہِ خدا میں گالیاں کھانے میں ہے" محترم قاضی محمد ظہور الدین اکمل

شانِ تغزل :-

غزل ——— پروفیسر عبدالسلام اختر ایم اے۔ و سعید بٹ

نظم و نغمہ :-

نبضِ دل ——— سمیع اللہ قریشی ایم۔اے
تلخیاں ——— قاصد ظریف

یادِ رفتگان :-

"پروفیسر خواجہ محمد عبدالقادر صاحب مرحوم" پروفیسر صوفی عبدالعزیز ایم۔اے

افسانہ :-

موت سے پہلے ——— خان کلیم خان

طنز و مزاح :-

اردو کا جدید قاعدہ ———
آزادی ——— } لطف الرحمٰن محمود
گرتو برا نہ مانے ———

انتخاب :- سچی باتیں ——— } ادارہ
"شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے" ———

اداریہ

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

قوموں کے عروج، اقبال اور عظیم الشان ترقی کا راز اتحاد و اتفاق ـــــ تنظیم اور استقلال ـــــ عملِ پیہم اور یقینِ محکم میں مضمر ہے۔ ان زرّیں اصولوں کو فراموش کرنے والی قوموں نے نفاق اور پراگندگی کے ہاتھوں ناقابلِ تلافی نقصانات اٹھائے ہیں۔ ان کی شوکت و عظمت کے فلک بوس عنبریں محل آنِ واحد میں پیوندِ زمین ہو کر رہ گئے۔ اس کے برعکس دوسری "کمزور" اور پس ماندہ قومیں خار و خس کی معمولی جھونپڑیوں سے اُٹھیں اور ان سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ان "معتوب" قوموں کی جگہ لیتی رہیں ـــــ اور ان کی عظمت و سطوت کے پرچم گنبدِ گردوں کی فضائے بسیط میں ارتعاش پیدا کرتے رہے!

ہمارے اسلاف کی سنہری داستانیں تاریخِ عالم کے صفحات پر بحروفِ زر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ جن پر ہم جتنا فخر کریں کم ہے۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں جب باطل اپنی طاقت کے بل بوتے پر حق سے ٹکرایا تو دفاعی غزوات میں مسلمانوں نے مادی لحاظ سے کمزور ہونے کے باوجود آلاتِ حرب سے آراستہ و پیراستہ طاقتور دشمن کے غرور کا طلسم پاش پاش کر ڈالا ـــــ اتحاد و اتفاق ـــــ صبر و استقلال ـــــ یقینِ محکم اور عملِ پیہم کی برکت سے دشمن کی صفوں کو پامال کر ڈالا ـــــ فتح و کامرانی معجزانہ طور پر مسلمانوں کے قدم چومتی رہی۔ مادی لحاظ سے کمزور اور ناتواں ہونا کوئی بڑی بات نہیں ـــــ اتحاد و تنظیم اور یقین و عمل سے انہونی باتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں ـــــ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ط

فضلِ ربی کے اجتذاب اور اذنِ الٰہی کے حصول کا بھی آسان طریقہ مومنوں کو بتا دیا گیا ہے :-

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

ابتدائے اسلام کے بزرگوں کا تذکرہ جمیل، قلم و قرطاس کی صحبت کا منت کش نہیں ہے۔ کیونکہ آپ سب بخوبی واقف ہیں بعد میں آنے والے مسلمانوں نے بھی جب تک ان اصولوں کو ملحوظِ خاطر رکھا، عظیم النظیر کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ مثال کے طور پر محمود غزنوی کی تیغ بے دریغ ہزاروں میل دور سومنات کے بتوں کے سروں پر آ کر چمکی ـــــ غوری کی شمشیر خارا شگاف کے سامنے سورماؤں کے جگر اسفنج کے ٹکڑوں کی مانند کٹتے رہے ـــــ بابر ہی کی مثال لے لیجئے۔ وہ ہندوستان

ہی عظیم مغلیہ سلطنت کا بانی تھا ——— بچپن میں موت نے اس کے باپ کی عافیت کوشی اس سے چھین لی - وہ متعدد بار اپنے دشمنوں سے نبرد آزما ہوا - کبھی اطلس و حریر کے فرشوں پر گھومتا اور کبھی جنگلوں کے پیاسے کانٹوں سے دل بہلاتا - آخر کار اس نے اپنے عزم و استقلال سے عروج و اقبال کی قندیل روشن کی - اس نے خزاں آلود تھپیڑوں کو اس لئے برداشت کیا کہ وہ عنقریب اس پژمردگی سے بہارِ بے خزاں نمودار کرے گا ——— وہ شامِ غریباں کا اس لئے استقبال کرتا کہ وہ اپنے عزم کی مدد سے ظلمات کے سینوں کو چیر کر صبحِ خنداں کے لئے آفتابِ عالمتاب طلوع کرے گا ——— وہ جانتا تھا کہ ؎

ظلماتِ شب میں پھوٹے گی امید کی کرن
تیرہ شبی دلیلِ نمودِ سحر بھی ہے!

چنانچہ اُس نے اُن اصولوں پر عمل پیرا ہو کر یہ سب کچھ کر دکھایا!

آپ جانتے ہی ہیں کہ عملی زندگی کی شاہراہیں صرف نازک پھولوں کے حسین تختے نہیں ہیں - اِن راستوں میں اچانک کئی موڑ ایسے اُبھر پڑتے ہیں جہاں دہر آشام کانٹے ترقی کے قدموں کو پھسلنی کر دیتے ہیں - یاس کی بے رحم خزاں آکر امیدوں کے غنچوں سے رعنائی چھین لیتی ہے ——— ناکامیوں کی بجلیاں آرزوؤں کے آشیانوں کو بھسم کر دیتی ہیں ——— مگر ہم ان مشکلات کا مقابلہ کر سکتے ہیں - ان مصائب کی کرخت اور سنگلاخ چٹانوں کو روئی کے نازک گالوں کی طرح دھنک سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان مشکلات کا خندہ جبینی سے استقبال کیا جائے ——— کیوں کہ ع

مشکلاتِ عشق کا مشکل کشا بھی عشق ہے

قومیں ابتدا میں اکثر مشکلات کی دلدلوں میں پھنس جاتی ہیں اور ان کے سفینوں کو متلاطم سمندر کے خوفناک تھپیڑے سہنے پڑتے ہیں مگر قوم کے امیدوں کے مرکز ——— نوجوانوں ——— کے کمال آشنا حوصلوں سے فوراً گرداب ساحل سے بدل جاتا ہے! ملک و قوم کے مسائل کا حل اسلامی سپرٹ کے پیدا ہونے میں مضمر ہے - ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اسلامی اقدار کا احیاء ہو - اگر ایسا ہو گیا تو سمجھئے کہ تمام مسائل کا بہترین حل ہمیں مل گیا - کام اگرچہ مشکل ہے مگر بقول ڈاکٹر جانسن "ہمت اور فتح لازم و ملزوم ہیں" ——— اس لئے یہ کام بھی آسان ہے ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

خلاصۂ کلام یہ کہ ہمیں اتحاد و اتفاق ——— تنظیم و عزم اور یقین و عمل کا دامن پوری قوت اور جوش و خروش کے ساتھ پکڑنا چاہیئے - تاہم منزلِ مقصود پر اپنی کامرانی کا پرچم لہرا سکیں - ہمیں ان زرّیں اصولوں کو اپنانا ہوگا - کیونکہ ہمیں اسلام کا دلیر سپاہی اور وطنِ عزیز پاکستان کا مفید شہری بن کر انسانیت کی بے غرض اور پُرخلوص خدمت کرنا ہے ع

مردِ خدا بنکل بھی آ تیغِ بدست سر بکف

(لطف الرحمٰن محمود)

جائزے

"اپنی باتیں"

المناس کا تازہ شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ اسے رنگا رنگ کے پھولوں سے سجایا جائے۔ اپنے خیالات کا اظہار تضیعِ اوقات نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم فن ہے۔

اگلا شمارہ موسمِ گرما کی تعطیلات کے بعد شائع ہوگا (انشاء اللہ) ہمیں اُمید ہے کہ طلبہ اپنے تعلیمی فرائض کو نہایت تندہی اور گرم جوشی سے سرانجام دیں گے۔ یاد رکھیئے (المناس) کی قلمی معاونت بھی آپ کے تعلیمی فرائض میں شامل ہے!

○

ڈگری اور انٹر کے امتحانات میں شامل ہونے والے طلبہ کے لئے ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں نمایاں کامیابیاں عطا فرمائے اور اس عظیم درسگاہ کا نام روشن کرے ع

ایں دُعا از من و از خلقِ خدا آمین باد

"ہمارے کرمفرما"

۱۔ پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن ایم۔اے

علم و فضل کا بحرِ ذخار —— ڈسپلن کے معاملہ میں جابر —— استاد کی حیثیت سے شفیق رہنما —— آپ کے قیمتی مقالے کی دوسری قسط شریکِ اشاعت ہے۔ جب آپ دینی مسائل و فرائض کی حکمت بیان کرتے ہیں تو ہمارے اذہان میں پرانے صوفیائے کرام کے پُرحکمت کلام کی جھلک دیکھنے لگتی ہے۔

۲۔ پروفیسر صوفی عبدالعزیز۔ ایم اے

ان ایام میں جب کہ ہمارا کالج لاہور میں تھا۔ آپ تعلیم الاسلام کالج میں جناب پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر صاحب مرحوم کے رفقائے کار میں تھے محترم اخوند صاحب کی وفات حسرت آیات ان کے لئے بھی باعثِ غم و اندوہ ہوئی جن کا اظہار انہوں نے چند اشعار میں کیا ہے جو شکریہ کے ساتھ شریکِ اشاعت ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ محترم صوفی صاحب موصوف از راہِ کرم "تبرکات" کا سلسلہ جاری رکھیں گے!

۳۔ خان کلیم خان ——

متعدد بار ان کالموں میں ان کا تعارف ہو چکا ہے —— مختصر افسانہ کی تحریر میں کرشن اور تقریر میں کرشنا مینن —— آپ کا افسانہ شریکِ اشاعت ہے۔ جس میں آپ نے زندگی کی تلخیوں کا نقشہ کھینچا ہے کسی نے سچ کہا ہے ؎

وقت ہیبت ناک شعلوں کی چتا
زندگی نوخیز ارمانوں کی لاش

۴۔ حمید احمد بھٹی ——

حمید احمد نام —— ایک ہنستا [illegible] ہوا [illegible] "تخلص" —— تخلص کے لئے [illegible] مطلوب

ہیں، ان سے ڈرتے رہیئے ورنہ آپ کی حرکات و سکنات کا نفسیاتی تجزیہ شروع کر کے عجیب غریب نتائج اخذ کرنے لگ جائیں گے۔ آپ نے "شرمیلا پن" کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے ——— سخنورانہ ذوق کی آمیزش سے روایتی فلسفیانہ خشکی اور بوریت کافور ہو گئی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تمہید تحقیق و تخلیق کا یہ مفید و منفعت بخش سلسلہ جاری و ساری رکھیں گے ہماری دعا ہے کہ

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

۵۔ پروفیسر عبدالسلام اختر ———

پروفیسر عبدالسلام اختر سے کالج کی ادبی مجالس روشناس ہیں۔ ہم آپ کے اشتیاق کے پیشِ نظر ان سے بھی ایک عدد غزل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ———

۶۔ سمیع اللہ قریشی ———

سمیع اللہ قریشی المنار کے ادارۂ تحریر میں شامل رہے ہیں۔ المنار ان کا مرہونِ منت ہے۔ آپ نے اپنا گرانقدر کلام اشاعت کے لئے مرحمت فرمایا ہے جو شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ———

۷۔ اسی طرح ایف۔ اے **قاصد ظریف** بھی المنار کی قلمی سرپرستی فرماتے رہے ہیں۔ ہم جہاں قاصد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں وہاں مسٹر **محی الدین اکبر** کے بھی مشکور ہیں جنہوں نے یہ گرانقدر نظم ہمیں مہیا کی ہے۔ اُمید ہے یہ نیک روش جاری رہے گی۔

ہماری آواز

ہدیۂ تبریک | یہ مسرت افزا خبر سن چکے ہوں گے کہ المنار

کے حصہ انگریزی کے سابق مدیر اعلیٰ مسٹر افتخار احمد شہاب جنہوں نے ۱۹۵۰ء میں اس کالج سے بی۔ اے کا امتحان دیا تھا۔ یونیورسٹی بھر میں انگریزی میں اوّل آئے ہیں اور ایم اے کے لئے وظیفہ حاصل کیا ہے۔ اس وقت آپ ایم۔ اے کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور انشاء اللہ سی ایس ایس کے امتحان میں شامل ہونگے ادارۂ المنار اس عزت افزائی پر محترم جناب پرنسپل صاحب اور افتخار احمد صاحب شہاب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کامیابی کو مبارک فرمائے۔ آمین

آپ کی آواز

تحریری مقابلے | اپریل کے شمارے میں ہم نے تحریری مقابلے کروانے پر مجلس عمومی کو ہدیۂ تبریک پیش کیا تھا۔ اس بار ہمیں اس سے متعلق پھر کچھ عرض کرنا ہے۔ اکثر طلبہ نے ہمیں یونین کے حد سے زیادہ جمود کی طرف متوجہ کیا ——— واضح ہو کہ ابھی تک اس مقابلہ کے نتائج کا اعلان نہیں ہوا۔ جس کے انعقاد کے اعلانات سے نوٹس بورڈ مزین ہو گئے تھے۔!

خدا کا شکر ہے کہ اِس معاملہ میں ہماری یونین بھی دیگر کالجوں سے پیچھے نہیں رہی۔ لہٰذا اس "عظیم الشان تقلید" پر ہم پھر صمیم قلب سے "مبارکباد" پیش کرتے ہیں۔ ہم سے تو طلبہ نے کہا کہ اپنے مخصوص انداز میں مبارک باد "عرض" کرو مگر ہم نے صرف مبارک باد "پیش" ہی کی ہے کیونکہ ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کمالِ حُسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو
تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

(غالبؔ)

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی!

مکرم و محترم جناب پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر صاحب کی وفات حسرت آیات پر ہمیں سخت صدمہ پہنچا ہے۔ مرحوم اِس کالج میں بارہ سال تک انگریزی کے پروفیسر رہے۔ اِس عرصہ میں جس محنت اور خلوص کے ساتھ آپ نے قوم و ملک کی خدمت کی وہ قابلِ تعریف ہے۔ رفقائے کار کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور شاگردوں کے ساتھ محبت آمیز مشفقانہ سلوک کی وجہ سے آپ ہر خاص و عام کے دل میں گھر کر چکے تھے۔ اِس عرصہ میں انہوں نے اپنے شاگردوں اور رفقائے کار پر اپنی عظیم المرتبت شخصیت اور اپنے بیکراں علم کا لافانی اثر چھوڑا ہے۔

اس سراپا خلوص و محبت، مجسمۂ علم و ہنر کے انتقالِ پُرملال کے سانحۂ عظیمہ پر ہم مرحوم کے غمزدہ لواحقین سے پُرخلوص ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ نیز دُعاگو ہیں کہ اللہ تعالےٰ انہیں صبرِ جمیل کی توفیق بخشے اور مرحوم کو چادرِ رحمت میں لپیٹ کر جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

"ادارہ"

مقالہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ ایم۔اے

"تقویٰ کا بلند مقام"

درج ذیل اقتباس حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ ایم۔اے کی ایک معرکۃ الآرا تقریر "جماعتی تربیت اور اس کے اصول" سے ماخوذ ہے جو کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ (ادارہ)

"سو جاننا چاہیئے کہ تقویٰ کسی عمل کا نام نہیں بلکہ تقویٰ دل کے اس جذبہ کا نام ہے جو اعمال کے مقابل پر رُوح کا درجہ رکھتا ہے۔ اور تقویٰ کا مقام دل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

"یعنی جو شخص خدا کی طرف رہنمائی کرنے والی مقدس ہستیوں اور مقدس مقامات اور مقدس صحائف کی عزت کرتا اور ان کی عظمت کو برقرار رکھتا ہے وہی اس تقویٰ پر قائم کیا جا سکتا ہے جس کا صدر مقام دل ہے۔"

پس تقویٰ کسی عمل کا نام نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی رُوح کا نام ہے۔ اور تقویٰ سے مراد دل کا وہ مستقل جذبہ ہے جس کے ماتحت انسان ہر قدم اٹھاتا ہوا خدا کی طرف دیکھتا ہے کہ میں کوئی بات اس کی رضا کے خلاف تو نہیں کر رہا؟ متقی انسان ہر امر میں خدا کی ناراضگی سے بچتا اور ہر وقت اس کی رضا کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے۔ در اصل تقویٰ وہ جڑھ ہے جس سے عمل صالحہ کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک یہ جڑھ قائم ہے انسان کے لیے خدا کے فضل سے کوئی خطرہ نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ؎

ہر اک نیکی کی جڑھ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑھ رہی سب کچھ رہا ہے

اس شعر کا دوسرا مصرع الہامی ہے اور اپنے ساتھ خدا کی مُہر تصدیق رکھتا ہے۔ پس ہمارے دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے دلوں میں تقویٰ پیدا کریں۔ یہ ایسا زبردست تعویذ ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی ابتلا انسان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سب اعلیٰ درجہ کے نیک اعمال ہیں مگر وہ ریا سے بھی ادا کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں عادت کا بھی دخل ہو سکتا ہے مگر تقویٰ ان سب خطرات سے بالا ہے۔ وہ ریا اور عادت اور جبر اور ماحول کی تاثیرات سے اسی طرح محفوظ ہے جس طرح ایک مضبوط قلعہ چوروں اور رہزنوں اور ڈاکوؤں سے محفوظ

مقالہ

پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن ایم اے

ظاہر و باطن

(قسط دوئم)

"المنار" کے گزشتہ شمارے میں اسلام کے بعض احکام علی الخصوص ارکان نماز کی باطنی حقیقت کے متعلق کچھ لکھا گیا تھا۔ اسی سلسلے میں بعض اور مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ گذشتہ مضمون میں تمہیداً یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ دنیا میں ہر چیز کا ایک ظاہر ہوتا ہے ایک باطن اور اصل مقصود باطن ہی ہوتا ہے۔ باطن کی حفاظت کے لئے اور اس کو کارآمد بنانے کے لئے ظاہر بھی ضروری ہے شریعت کے احکام میں بھی اصل مقصود باطنی روح کا حصول ہے اگر وہ حاصل نہیں ہوتی تو تمام سعی بیکار جاتی ہے۔

اسلامی نماز میں انسان مختلف حالتیں اختیار کرتا ہے۔ جن کے ذریعہ سے تصویری زبان میں انسانی روح بعض باطنی حالتوں کا اظہار کرتی ہے۔ ارکان نماز کی ادائیگی میں ان باطنی کیفیات کا مدنظر رکھنا اور اپنے قلب میں ان کے مطابق تاثر پیدا کرنا ضروری ہے۔

نماز کے اوقات کی حقیقت

اب ہم نماز کے اوقات کی حقیقت کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب "کشتی نوح" میں اس مضمون پر بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے پانچ ظاہری اوقات بھی پانچ قسم کی باطنی حالتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو عموماً زندگی میں انسان پر وارد ہوتی ہیں یا اکثر اوقات وارد ہو سکتی ہیں۔

پہلا وقت وہ ہوتا ہے جبکہ انسان کی ابتدا آدم کی حالت میں زوال پیدا ہونا شروع ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کو خبر ملتی ہے کہ اس پر ایک مقدمہ دائر کر دیا گیا ہے۔ اس حالت کے مقابل پر نماز ظہر مقرر ہے جبکہ آفتاب نصف النہار سے زوال پذیر ہو جاتا ہے اسکے بعد یہ حالت آتی ہے کہ اسے ہتھکڑی لگ جاتی ہے اور وہ حاکم کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے ایسی حالت میں اس کی امیدیں سرد پڑ جاتی ہیں! اور ظلمت کے آثار یقینی طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس حالت کے مقابل پر نماز عصر مقرر ہے جبکہ آفتاب کا نور زائل پڑ جاتا ہے ان حالتوں کے مقابل پر نمازوں کے اوقات مقرر کرنے میں یہ تبلایا گیا ہے کہ ان تمام حالتوں سے چھٹکارا پانے کی راہ رجوع الی اللہ ہی ہے! اور صرف اللہ تعالیٰ کی توجہ اور مہربانی ہی تمام زہروں کا تریاق ہو سکتی ہے۔ تیسری حالت انسان پر یہ آسکتی ہے کہ اسے قید کا حکم سنا دیا جاتا ہے! اور کامیابی و رہائی کی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں! اور ظلمت اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اس کے مقابل پر نماز مغرب مقرر ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ حالت آتی ہے کہ اسے تاریک تاریک زندان

ین ڈال دیا جاتا ہے اور تاریکی چاروں طرف سے اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابل پر نماز عشاء رکھی گئی ہے۔ جبکہ تاریکی مکمل طور پر تمام دنیا کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کے بعد یہ حالت آتی ہے کہ لمبی قید بھگتنے کے بعد اسے رہائی کا مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے اور شمع اُمید یکدم روشن ہونے لگتی ہے۔ اس کے مقابل پر نماز فجر ہے جبکہ آفتاب اپنی شعاعیں ایک سفید نور کی صورت میں افقِ مشرق میں ظاہر کرتا ہے۔

روزہ کی حقیقت

اسی طرح روزہ بھی پانچ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اور اس کی باطنی روح یہ ہے کہ ہم اس ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی خاطر بُری باتوں سے اپنے آپ کو روکنے کی مشق کرتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں ہم اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول کی خاطر جائز کھانے اور پینے سے بھی ایک وقت مقررہ تک کے لئے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں اس میں ہمیں یہ سبق دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے انسان کو بعض اوقات اپنی جائز لذات اور مفاد کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم روزہ رکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور اس قسم کی قربانی پیش کرنے کا زبانِ حال سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح روزہ میں یہ اقرار بھی مخفی ہے کہ جب میں رضاء الٰہی کے لئے اپنی جائز لذات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں تو برائیوں اور ناجائز باتوں سے مجتنب رہنے کے لئے تو بدرجہ اولیٰ تیار ہوں۔ اگر کوئی شخص ظاہری روزہ تو رکھتا ہے۔ کھانا پینا ترک کر دیتا ہے لیکن باطنی روزہ نہیں رکھتا۔ یعنی روزہ کی حالت میں برائیوں سے اجتناب نہیں کرتا۔ مثلاً کسی گلوچ کرتا ہے تو اس کا روزہ کسی کام کا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من لم یدع قول الزور والعمل

بہ فلیس للّٰہ حاجۃ فی ان یدع طعامہٗ وشرابہٗ۔

(بخاری۔ کتاب الصوم)

یعنی جو شخص جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرورت نہیں کہ ایسا شخص اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے (کیونکہ روزہ سے حقیقی مقصود کو اپنے آپ کو برائیوں سے روک کر رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے)

حج اور طواف کعبہ کی حقیقت

اب ہم اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری رکن حج کو لیتے ہیں۔ حج کے ارکان میں سے ایک اہم رکن خانہ کعبہ کا طواف ہے۔ خانہ کعبہ وہ پہلا عبادت کا گھر ہے۔ جو خدائے واحد کی عبادت کے لئے انسانوں کیلئے بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انّ اوّل بیتٍ وضع للناس للذی ببکۃ مبارکًا وھدًی للعالمین۔

(آل عمران۔ رکوع ۱۰)

یعنی سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے فائدے کے لئے بنایا گیا تھا۔ وہ ہے جو مکہ میں ہے جو تمام جہانوں کے لئے برکت والا مقام اور موجب ہدایت ہے یہودی روایات سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ اسے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ گھر گر چکا تھا اور اس کی بنیادوں کے نشانوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مدد سے اس کو دوبارہ تعمیر کیا۔ خدا تعالیٰ کا یہ گھر درحقیقت اس بات کا نشان ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی عالمگیر برادری کے اجزاء ہیں۔ اور ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ ایک شخص جب خدا تعالیٰ کے اس گھر کا لبیک اللھمّ

لبیک کہتا ہوا ظاہری طواف کرتا ہے تو اس وقت اس کی رُوح عاشقانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کا طواف کرتی ہے اور یہ عہد کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ ہی ہمارا اصل مطلوب و مقصود ہے اور ابدالآباد تک ہماری روح اسی کی محبت و جستجو میں اس کے گرد دیوانہ وار گھومتی رہے گی۔

اسی طرح حج کے ارکان میں سے ایک رکن صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا بھی ہے۔ ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑ کر ہم حضرت ھاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام والے واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ بے سروسامانی کی حالت میں اپنے بے کس بندوں کی حاجتیں ایک بے آب و گیاہ وادی میں بھی پوری کر دیا کرتا ہے۔ ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑ کر ہم گویا زبان حال سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بھی اپنے دلوں میں حضرت ھاجرہ اور اسماعیل علیہ السّلام والا توکل پیدا کریں گے اور اسی طرح زبان حال سے دعا کرتے ہیں کہ اے خدا اسی طرح تو بھی ہر مشکل کے وقت میں ہمارا کفیل ہو۔ جیو اور مشکلات سے نجات دیجیو۔

پھر حج کے ارکان میں سے ایک یہ ہے کہ تمام حجاج ۸ ذوالحجہ کو وادی منیٰ میں جمع ہوتے ہیں۔ منیٰ کا لفظ عربی کے لفظ اُمنیّۃ سے ہے جس کے معنیٰ خواہش اور مقصد کے ہیں۔ پس منیٰ میں جمع ہونا اس بات کا اقرار ہے کہ ہم وہاں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی خواہش کرتے ہوئے جمع ہوتے ہیں۔ منیٰ کے بعد حجّاج مزدلفہ کی طرف جاتے ہیں۔ یہ لفظ قرب اور نزدیکی کے معنیٰ کا حامل ہے۔ گویا وہاں پہنچ کر حجّاج محسوس کرتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی ملاقات قریب ہے اور ہم اس کا قرب حاصل کرنے والے ہیں۔ اور تصویری زبان میں یہ عہد بھی کرتے ہیں کہ ہمیشہ ہم ایسے مقامات و مواقع کی طرف رجوع کیا کریں گے۔ جو قرب الٰہی کے حصول کا موجب ہوں۔ مزدلفہ کا ہی دوسرا نام المشعر الحرام ہے جس کے معنیٰ عزت والے نشان کے ہیں۔ یہ بھی دوسرے لفظوں میں اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا قرب قریب ہے۔ اس کے بعد حجاج میدان عرفات میں پہنچتے ہیں۔ عرفات کا لفظ عرف سے ہے جس کے معنیٰ پہچاننے کے ہیں۔ یہاں پہنچنا اس امر کا اقرار ہے کہ اے ہمارے مالک ہم نے تجھے پہچان لیا ہے اور حقیقی رنگ میں ہماری روح تیری ہی طرف رجوع کر رہی ہے پس تو بھی ہماری طرف نظر کرم کر اور ہمیں معرفت تامہ عطا کر دے۔

حج کا مقام ایک بنجر اور چٹیل میدان ہے جس میں سوائے ریت پتھریلی پہاڑیوں کنکروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ اس لئے تا حجاج کے دل میں یہ امر مستحضر رہے کہ وہ یہاں کسی دنیوی مقصد کے لئے جمع نہیں ہوئے۔ کیونکہ دنیوی طور پر اس مقام میں کسی قسم کی بھی دلچسپی کا سامان موجود نہیں اور یہ کہ وہ یہاں صرف اور صرف خدائے واحد کی پرستش کے لئے اور اس کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔

حج اور عمرہ کے لئے ایک حاجی احرام باندھتا ہے۔ یعنی اپنے جسم کو دو اَن سلی چادروں میں لپیٹ لیتا ہے۔ اور سر ننگا رکھتا ہے۔ یہ لباس حجاج کے دل میں یہ احساس پیدا کرتا ہے گویا کہ وہ کفن میں ملبوس ہیں اور قیامت کے دن میں صور اسرافیل سے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم حج اور عمرہ کی تفاصیل کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

واتقوا اللّٰہ واعلموا انکم الیہ تحشرون۔

(البقرہ رکوع ۲۵)

یعنی ان عبادت سے تمہارا مقصد صرف اللہ تعالیٰ

سے تعلق پیدا کرنا ہونا چاہیئے اور اس امر کو اپنے ذہنوں میں مستحضر رکھو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے۔

پس حج کا میدان اور اس کا لباس ہمارے سامنے قیامت کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اور ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ اسی طرح کا ایک اور دن بھی ہم پر آنے والا ہے اور اس دن کے لیئے ہمیں زادِ راہ جمع کرنا چاہیئے۔

میدان عرفات سے حجاج جب واپس مزدلفہ سے ہوتے ہوئے منیٰ میں پہنچتے ہیں تو تین مقررہ ستونوں پر کنکریاں مارتے ہیں۔ ان کا نام الجمرۃ الدنیا اور الجمرۃ الوسطیٰ اور الجمرۃ العقبہ ہے۔ یہ تینوں جمرات تین زندگیوں کی یاد دلاتے ہیں۔ یعنی اس دنیا کی زندگی عالمِ برزخ یعنی قبر کی زندگی اور تیسری عالمِ آخرت یعنی وہ زندگی جو قیامت کے بعد شروع ہوگی۔ کنکریاں مارنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمیں اپنے اندر ایسی روحانی قوت پیدا کرنی چاہیئے کہ شیاطین ہماری تینوں زندگیوں میں ہم سے دور رہیں۔ گویا کہ ہم ان کو پتھر مار کر اپنے سے دور کرتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر جو قربانیاں کی جاتی ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کی یاد میں ہیں جب وہ حکمِ خداوندی کی خاطر اپنے اکلوتے فرزند کی گردن پر چھری چلانے کے لیئے تیار ہو گئے تھے۔ گویا قربانی ذبح کرنے کے ساتھ ہم خدا تعالیٰ سے عہد باندھتے ہیں کہ تیرے حکم پر ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنی عزت۔ مال۔ جان اور اپنی اولاد تک قربانی کرنے کیلئے ہر دم تیار رہینگے۔

خانہ کعبہ کا طواف سات دفعہ کیا جاتا ہے۔ جمرات پر کنکریاں بھی سات دفعہ پھینکی جاتی ہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان بھی سات چکر دوڑ کر لگائے جاتے ہیں۔ سات عربی زبان میں تکمیل پر دلالت کرنے والا عدد ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ادھوری عبادت۔ ادھوری قربانی اور ادھورے اعمال سے راضی نہیں ہوتا تمہیں ہر چیز کامل اور مکمل صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنی ہوگی۔ تا اسے قبول کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات آسمانوں کا ذکر کیا ہے یعنی انسانی اعمال کے نتیجے میں انسان سات روحانی بلندیاں طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کا وصال حاصل کرتا ہے۔

الغرض حج کی اور اسی طرح سے نماز اور روزہ کی تمام ظاہری عبادات اپنے اندر باطنی حقائق پوشیدہ رکھتی ہیں۔ کامیابی وہی شخص حاصل کرتا ہے کہ ان باطنی حقائق پر نظر رکھتے ہوئے ظاہری عبادات بجا لائے اور اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے۔

○

"پاکستان ایزدی ہے۔ یہ حضرت محمد صلعم کا روحانی فیض ہے کہ جس ملت کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے برصغیر ہندوستان سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کی سازش کر رکھی تھی۔ آج وہ ملت آزاد ہے اس کا اپنا ملک ہے۔ اپنا پرچم ہے۔ اپنی حکومت ہے اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر خدا کا کوئی انعام ہوسکتا ہے؟ یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ خداوند تعالیٰ نے رسول اکرمؐ سے کیا تھا۔ کہ اگر تیری اُمت نے صراطِ مستقیم اختیار کیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم کی حفاظت کا فرض اب مسلمانوں کا فرض ہے۔"

(بابائے قوم)

○

"اس عظیم الشان پاکستان کی تعمیر و ترقی کا جو کام اس وقت ہمارے سامنے ہے اسے دیکھتے ہوئے سب کو اس بات کا کامل احساس ہوگا کہ اس وقت اتحاد باہمی کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔"

(حضرت قائدِ اعظم)

م۔ ط

کم گوئی

{ جو اپنے مُنہ اور زبان پر قابو رکھتا ہے۔ وہ اپنی رُوح کو تکلیفوں سے بچا لیتا ہے۔ }

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کئی ایک ایسی قوتیں عطا کی ہیں۔ جن کے صحیح، مناسب اور با موقع استعمال سے وہ اپنی ذات کو دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ میں اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچا کر "اشرف المخلوقات" کے عظیم خطاب کا مستحق بنتا ہے۔ ان خداداد قوتوں اور صلاحیتوں میں سے ایک قوتِ گویائی ہے یعنی بات چیت سے اپنے خیالات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ —— ہماری عملی زندگی کا محل اسی بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔ انسان کے روحانی کمالات میں بھی اس کا بڑا دخل ہے۔ جسمانی اقدار کا تحفظ بھی اسی سے وابستہ ہے۔ غرض ہر قسم کے کاروبار اسی قوت کی بدولت سے انجام پاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے عروج و زوال اور حرکت و سکون میں قوتِ گویائی بلاشبہ بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جو مناسب حدود سے تجاوز کر جائے (خواہ وہ انسانی زندگی کے لئے کیسی ہی مفید اور لازمی حیثیت رکھتی ہو) وہ بجائے فائدہ کے ضرر رسانی کا موجب بن جاتی ہے۔ بعینہٖ وہ لوگ جو اپنی قوتِ گویائی کا استعمال موزوں اور با موقع نہیں کرتے۔ بلکہ محض لغو گوئی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ خدا کی اس عظیم نعمت کے ناجائز استعمال کی وجہ سے اکثر لعنت و ملامت اور رسوائی بدنامی کا سامنا کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ندامت کی تیز بارش ان کے تخیلات کے تنکوں کو بہا لے جاتی ہے جس کا بد اثر شرمندگی و احساسِ کمتری کی

شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ غور و فکر اور فہم و تدبر کی خداداد صلاحیتوں سے آہستہ آہستہ محروم ہو جاتے ہیں۔

. . . . کثرتِ گویائی کے شکار صرف زبان ہی چلاتے چلے جاتے ہیں۔ در اصل دماغ سے کام نہیں لیتے ہوتے۔ ایسے لوگ ایک خاص قوتِ ممیزہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے کلہ داروں کو اس بات کی تمیز نہیں رہتی کہ کس موقع پر بات کرنا مناسب ہے اور کس موقع پر خاموشی ہی مصلحت ہے۔ انہیں قطعاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں آیا وہ کسی کے نازک جذبات کو مجروح تو نہیں کریگا؟ ایسے لوگ اپنی عادت کی وجہ سے اس صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بالآخر ذلت و رسوائی کا سامنا کرتے ہیں۔ لوگ ان کی باتوں کو قدر کی نگاہ سے کم ہی دیکھتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے صلاح و مشورہ کو کوئی وقعت دیتے ہیں۔ عقلمند لوگ ہمیشہ ان کی مجالس سے کتراتے ہیں۔ اسی لئے بڑے بڑے حکماء کہہ گئے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم بولنے اور خاموشی کی عادت کو اپنانا چاہئے۔ جس سے ذہن کو ایک خاص آرام اور سکون میسر آتا ہے۔ دماغ کی خفتہ صلاحیتوں کو نشو و نما کا موقع ملتا ہے جس سے قوتِ فہم و ادراک اور ذکاوتِ ذہنی ترقی پاتی ہیں۔

کم گوئی اور خاموشی اختیار کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے عیوب کی پردہ پوشی ہوتی ہے جبتک کوئی شخص بات چیت نہ کرے اس کے متعلق کسی قسم کی صحیح رائے

قائم کرنا مشکل امر ہے۔ اس کے عیوب در پردہ رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کی شخصیت پُر رعب اور باوقار معلوم ہوتی ہے لیکن بات کرنے سے اس کی دماغی کیفیات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے اندرونی خیالات کا جھکاؤ، طرزِ گفتگو اور اندازِ فکر سب پر عیاں ہو جاتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے اور جب بات کرنے کا موقع ہو تو سوچ سمجھ کر جچے تُلے کم از کم الفاظ میں جس سے مطلب پوری طرح واضح ہو جائے بات کرنا چاہیئے۔ جو لوگ زیادہ بولنے کے عادی ہوتے ہیں ان کا دامن خواہ مخواہ تکرار و تلخ کلامی، حیب جوئی، غیبت، ریاکاری، فریب دہی اور جھوٹ جیسے قابلِ نفرت و مذمت عیوب کے دھبوں سے داغدار ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ سوسائٹی میں ذلت و رسوائی اور بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ .... اگر آپ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار و پُر مسرت اور سب سے بڑھ کر کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کے خواہشمند ہیں تو زیادہ باتیں بنانے کی مضر اور تکلیف دہ عادت کو خیرباد کہہ دیں۔ اور جب کبھی گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو برموقع ایسے مختصر مگر مؤثر الفاظ میں اظہارِ خیال کریں جس سے مطلب و مقصد بخوبی واضح ہو جائے فضول اور بے معنی خیالات کے اظہار سے جتنا پرہیز کریں گے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

اس لئے اگر آپ کم سخنی کی منفعت بخش عادت کو اپنا لیں تو پھر آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی ذہنی قوتوں کے حلقہ اثر میں ایک عجیب تغیر وقوع پذیر ہو رہا ہے جس سے آپ کی ذہانت و فطانت بھی متاثر ہو رہی ہوگی۔

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد دیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔" (حضرت قائداعظم مرحوم)

سعید بٹ

غزل

تمنا لُٹ گئی خاموش ہوں میں
شرابِ غم سے کچھ مدہوش ہوں میں

خزاں لے چل مجھے بھی ساتھ اپنے
ہوئی مدت ترا ہمدوش ہوں میں

رفیقوں کی وہاں بزمِ طرب ہے
سیاہ ماتم لبادہ پوش ہوں میں

کدھر تم ڈھونڈتے ہو میں کدھر ہوں
ابھی راہوں میں ہی روپوش ہوں میں

نشیمن جل رہا ہے آج اے کاش
سبب پوچھ شعلہ کوش ہوں میں

عبد السلام اختر ایم۔اے

غزل

متاعِ لالہ و گُل بُوئے ریحاں ساتھ لے آئے
وہ اِس محفل میں کیا آئے گلستاں ساتھ لے آئے

مجھے اُن چند ذرّوں کی سرافرازی پہ رشک آیا
جو صحرا سے اُٹھے اور ابرِ باراں ساتھ لے آئے

تلطّف میں کمالِ دلنوازی جلوہ فرما تھا
تبسّم میں جمالِ صبحِ خنداں ساتھ لے آئے

خدا شاہد ہے کانٹوں کے جگر کو چیرنے والے
بالآخر شاخِ گلہائے بہاراں ساتھ لے آئے

ستارے شام کو جب آسماں پر جھوم کر نکلے
گذشتہ دور کے کچھ عہد و پیماں ساتھ لے آئے

غرور اُن کو ہے لازم وادیٔ اُلفت میں جو اخترؔ
جبیں پر سُرخیٔ خونِ شہیداں ساتھ لے آئے

حمید احمد چشتی

شرمیلا پن

(نفسیاتی تجزیہ)

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو دوستوں کے مجمع میں رہ کر بہت خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور اس طرح زندگی کی گہما گہمیوں میں نمایاں حصہ لیتے ہیں ان کو "جلوت پسند" ــــ "مجلسی" ــــ یا "سوشل" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بہت کم ہی شرماتے ہیں اور اپنی باتوں سے محفل کو گرما دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ؏

گرمئ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

اس کے برعکس دوسری قسم کے لوگ محفل آرائی کو ناپسند کرتے ہیں یا ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مشاغل اور مقاصد کو ایک مخصوص مگر محدود حلقۂ عمل میں مقید کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے ان مشاغل میں اکثر منہمک رہتے ہیں۔ اس انہماک اور استغراق کی وجہ سے ان کے احباب کا دائرہ بہت محدود ہوتا ہے۔ یہ لوگ "خلوت پسند" یا "ان سوشل" کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اکثر و بیشتر شرمیلے پن کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں ہمیشہ اپنے بارے میں ایک بے یقینی رہتی ہے۔ ایسے لوگ دوسروں سے ملتے وقت بے اطمینانی اور بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لہو میں چونکہ ذوقِ عمل کی گرمی تقریباً مفقود ہوتی ہے اس لئے ان کے مسلسل اضطراب سے مسرت آفریں تفریح کا خون ہو جاتا ہے ــــ اور بھلا ہو بھی کیوں نہ ؏

نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو؟

اگر ان سے کہا جائے کہ وہ خلوت پسندی کو ترک کر دیں تو اس سے وہ یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ انہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ زندگی میں اپنے نفس پر جبر کر کے خلوت پسندی کو ترک کر کے ایک نامانوس ڈگر پر گامزن ہوں۔ دراصل شرمیلے پن کو دور کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں ایک ایسی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے جسے وہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کا خلوت پسند ہونا یا کم آمیز ہونا اور مجالس سے گریز کرنا عام طور پر کسی اعصابی خلل کے تحت ہوتا ہے۔ اس بوم خصلتی کا محرک تحت الشعور میں چھپا ہوا کوئی خوف ہوا کرتا ہے جسے ماحول کے مخصوص اثرات طفلی کے تحت الشعور میں داخل کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ دوسرے لوگوں سے ملتے وقت بے اطمینانی اور اضطراب کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے شرماتے ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ دیانتداری کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ واقعی وہ شرمیلے ہیں ــــ

شرمیلے پن کو دور کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنے دل میں اس خیال کو ہرگز جگہ نہ دیں کہ آپ کے شرمانے کی عادت تا زیست ختم نہ ہو گی۔ آپ ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ دوسری بات جسے اس ضمن میں ملحوظِ نظر رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے دوستوں سے ملنے اور مجلس میں جانے کی جو فطری اور طبعی خواہش ہے اسے کسی صورت میں بھی نہ کچلئے! تیسرے یہ کہ آپ اپنے متعلق نہایت دیانتداری سے کھوج لگائیں اور یہ معلوم کریں کہ کونسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے آپ شرم اور حجاب محسوس کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ جب آپ کوشش کر کے جرأت مندانہ انداز سے ان اسباب کا کھوج لگا لیں گے تو ان کا علاج بھی ہو جائیگا اور اس طرح آپ اس مضرت رساں بیماری سے نجات پا سکتے ہیں۔

محترم قاضی محمد ظہور الدین اکمل

جو مزا راہِ خدا میں گالیاں کھانے میں ہے

اے کہ ساعی تو حیاتِ جاوداں پانے میں ہے
یہ تو حق پر جیتے جی قربان ہو جانے میں ہے

انقلاباتِ زمانہ۔ گردشِ تقدیر ہے
صبح گلشن میں تھے خوش خوش شام ویرانے میں ہے

مندروگرجا میں کیا جائیں کہ پاتے ہی نہیں
آزمایا بارہا۔ جو لطف سے خانے میں ہے

محفلِ رقص و سرودِ غیر میں ملتا نہیں
جو مزا راہِ خدا میں گالیاں کھانے میں ہے

گر نظر آتا نہیں عکسِ رُخِ دلبر تجھے
مے نہیں۔ زہر ہلاہل تیرے پیمانے میں ہے

اُن کو میرے مٹنے کی پرواہ نہیں تو کیا ہوا
میرا افسانہ تو شامل اُن کے افسانے میں ہے

وصل کی لذت تو اکملؔ عارضی سی چیز ہے
اصل لذت ہجر میں اس دل کو تڑپانے میں ہے

"شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے"

جذبی

وہ خواہشِ دل ہوا اے جذبی مری ہمراز تھی
ہو آسائے موت، خدایا تباہ حالی میں
مری خاک بھی دل بھی آخر اُن کے کام آ ہی گئی
پھولوں چُننا بھی عبث سیرِ بہاراں بھی فضول

آج اُسے بھی زخم بن کر مسکرانا آ گیا
یہ نام ہو گا غمِ روزگار سہ نہ سکا
کچھ نہیں تو اُن کو دامن ہی بچانا آ گیا
دل کا دامن ہی جو کانٹوں سے بچایا نہ گیا

عابد

نوکِ زبانِ خار کی دیکھی نہیں ادا
انہیں کو عرضِ وفا کا تھا اشتیاق بہت
شرع و آئین کی ہر آڑ میں کرتے ہیں سوال
قضا کا شیوہ گر موتیوں کے ہار کے ساتھ

غافل کو وہم ہے گُل و گلزار ہے بہار
انہیں کو عرضِ وفا ناگوار گزری ہے
ہر جو زنار و قباؤں میں گدا ہوتے ہیں
صلیب و دار بھی دکھتا ہے رہبروں کے لئے!

فانی

دل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم
دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
کسی کے غم کی کہانی ہے زندگی فانی
وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی

بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے
زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والوں کا
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

مولانا عبدالماجد دریابادی
(ایڈیٹر صدق جدید۔ لکھنؤ)

"سچی باتیں"

ماسٹروں کے پٹنے، ٹیچروں کے ٹھکنے، استادوں کے زخمی ہو کر ہسپتالوں میں داخل ہونے کا موسم آگیا ہے ــــ جس طرح موسم ایک جاڑے کا ہوتا ہے، ایک گرمی کا، ایک برسات کا اور جس طرح ایک زمانہ ہوتا ہے فصل کے بونے اور بیج پڑنے کا اور ایسے ان کے پکنے اور تیار ہونے کا۔ اور جس طرح فصلیں ہوتی ہیں ملیریا کی، نزلہ کی، اور اور بیماریوں کی۔ اسی طرح اور اسی قطعیت اور پابندی کے ساتھ اب چند سال سے ایک مستقل موسم اس کا بھی قائم ہوگیا ہے۔ جب ہر اخبار میں یہ خبریں نظر آنے لگتی ہیں کہ:

"فلاں ماسٹر کو اسکول سے واپسی کے راستہ میں لڑکوں نے ٹھونک دیا۔"

"فلاں نگران کی عین امتحان کے دوران میں ہال میں طلبہ نے مرمت کر دی۔"

"فلاں کالج میں نگرانوں کی حفاظت کے لئے پولیس کا دستہ طلب کرنا پڑا۔"

"لڑکوں نے کہہ دیا نقل کرنا ہمارا حق ہے کوئی قانون اس سے نہیں روک سکتا۔"

"پرچہ کے جوابات امتحان گاہ کے دروازہ پر لاؤڈ اسپیکر سے پکار پکار کر سنانے شروع کر دیئے۔"

اور یہ موسم ہمارے ملک میں عموماً مارچ و اپریل (و مئی، نائل) کا ہوتا ہے جب امتحانات اوپر سے نیچے تک

اور یونیورسٹیوں سے لے کر اسکولوں تک ہوتے رہتے ہیں اور یہی موسم امتحانوں کے شامت زدہ نگرانوں اور ممتحنوں کی گردشِ شامت کا ہوتا ہے۔ کسی کے ہاتھ پیر توڑ دیئے جاتے ہیں ــــ کسی کی بڑی پسلیوں پر آئی ہوئی چوٹ ہے اور کسی کا سر نکل جاتا ہے کوئی معقول ہسپتال لیٹا رہتا ہے، کوئی جھینوں گھر میں بیٹھ مرہم پٹی کرتا رہتا ہے۔ کسی کی خاطر پتھروں اور گھونسوں سے کی جاتی ہے کسی کی لاٹھیوں ڈنڈوں سے اور کسی کی چاقو اور پستولوں سے! اور پولیس، مجسٹریٹ اور تعلیمات کے حکام اعلیٰ سارا تماشہ بےبسی کے ساتھ دیکھتے رہتے ہیں۔ کہ یہ دور ہے آزادی کا اور صاحبزادوں کی یہ ساری سعادت مندیاں عین بلوغ و علامت ہیں ترقیوں کی راہ ــــ اچھا ہے صدیوں تک استادوں، ماسٹروں، مولویوں، پنڈتوں نے حکومت کی، ڈنڈے اور بید کے زور سے کر لی اب خود بھی تو اپنے بوئے ہوئے کے پھل مزا چکھیں، پٹیں اور مار کھائیں اور ہاتھ پیر تڑوا کے کی سیر بھی کبھی رہتی ہے خصوصاً ادھیڑ سن یا بڑھاپے میں!

تو نگری میں تیری یاد بھول جاتی ہے
براہِ لطف و کرم مجھ کو مفلسی دے دے
(شبیر افضل جعفری)

خان کلیم خان

موت سے پہلے

اور پھر ایک سحر جب آسمان پہ فجر کا ستارہ جھلملا رہا تھا ـــ رات کی تاریکی صبح کے اجالوں سے گلے مل رہی تھی ـــ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی ـ دُور دور ـــ دھندلکوں سے کہیں پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں ـــ فطرت مدہوش تھی ـــ وہ اچانک اُن دروازوں کو توڑ کر بھاگ نکلا جو اس کے لئے بند تھے ـــ کھیتوں میں چھپتا چھپاتا ـــ جھاڑیوں میں رکتا ـــ پہاڑی پگڈنڈیوں کو عبور کرتا دُور بہت دُور وہ پہنچ گیا جہاں زندگی کے صاف و شفاف پانی میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا ـــ وہ بند و سلاسل توڑ چکا تھا ـــ وہ اب آزاد تھا ـــ دوسرے انسانوں کی طرح آزاد ـــ فضا میں پھیرتے ہوئے پرندوں کی خوش الحانیاں سُن کر اس کے دل میں گدگدی سی پیدا ہو گئی تھی ـــ اُسے ان کی آزادی پر رشک آتا تھا ـــ وہ اس فضا کے بسیط میں ان کے ساتھ اُڑنا چاہتا تھا مگر کچھ سوچ کر وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں سر جھکا لیتا ـــ لیکن آج وہ ان کا ہمنوا اور ہمراز معلوم ہوتا تھا ـــ اس کے ہونٹوں پہ تبسم اور اس کی آنکھوں میں چمک تھی ـــ

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا ـ اور پھر کچھ زیر لب بڑبڑانے لگا ـــ بیتے ہوئے دن اس کی نگاہوں میں پھرنے لگے ـــ ہاں! ہاں! یہ میرا گاؤں ہے ـــ دیکھو لالہ! اگر پھر تم نے میری کیاری خراب کی تو میں تمہیں کبھی تتلیاں پکڑ کر نہ دوں گا ـــ ہم دونوں لڑتے اور پھر ایک دوسرے کو منا بھی لیتے ـــ مگر یہ سلسلہ تادیر جاری نہ رہ سکا ـــ ایک دن ابا جب گھر آئے تو ان کے چہرے سے خوف ابھر رہا تھا ـــ اگلے دن سے وہ بندوق ساتھ لے کر جانے لگے ـــ پھر... ایک دن... راجہ کے سپاہی آئے، گھر کی تلاشی لی ـــ کوئی ہتھیار برآمد نہ ہوا۔ اور مایوسی کے عالم میں واپس گئے ـــ لالہ نے سادگی سے پوچھا ـــ بھیا! یہ سپاہی ہمارے گھر میں کیوں آئے تھے" ـــ امن و امان قائم کرنے کے لئے، کمزوروں اور ضعیفوں کو بچانے کے لئے، میں نے طنزاً کہا بھولی لالہ کچھ نہ سمجھ سکی ـــ "تم تو پہیلیاں بجھاتے رہتے ہو بھیا" ـــ میں نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور تیزی سے باہر نکل گیا ـــ گاؤں پہ کچھ مردنی چھائی ہوئی تھی ـــ ایک سکوت کا عالم تھا، پوری فضا منجمد سی معلوم ہو رہی تھی ـــ میں دیر تک برگد کے درخت کے نیچے گم بیٹھا رہا ـــ اتنے میں ابا آ گئے ـــ ان کے پاس ایک نہیں دو بندوقیں تھیں ـــ اور اس کے بعد بہت سے دن یونہی گزر گئے ـــ

پھر ایک رات ـــ ہمارے مکان کے نیچے کچھ شور سا ہوا ـــ ابا نے کھڑکیاں بند کر لیں، "چھوٹی" نے بڑا پھاٹک بند کر دیا، چھوٹے چھوٹے بچوں اور کمزور عورتوں کو ایک محفوظ جگہ چھپا کر سب لوگ غائب ہو گئے ـــ لالہ رو رہی تھی، میرا دل گھٹ رہا تھا اور جسم

گھُٹ رہا تھا۔ بندوقیں چل رہی تھیں ——— چاروں طرف دھواں پھیلا ہوا تھا، یہ دھواں بارود والا گولیوں کا دھواں تھا ——— پورا گاؤں جل رہا تھا، آگ کے دہکتے ہوئے شعلے ہمارے سر تک بنگلے تک پہنچ رہے تھے ——— ہم بھاگے اور کھیتوں میں چھُپ گئے۔ ابا اور ممی کہاں ہیں؟ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ اسی یاس و ہراس کے عالم میں رات بیت گئی، صبح نمودار ہوئی اور ہمیں ایک فوجی دستے نے ہزاروں عورتوں اور مردوں کے ہجوم میں چھوڑ دیا ——— کچھ دن یونہی گزر گئے۔ ممی سے کہیں ملاقات نہ ہو سکی، ابا کہیں نظر نہ پڑے ———

۔۔۔۔۔ اور جب قافلہ واہگہ کے اُس پار پہنچا تو میں اکیلا تھا ——— آہ! ۔۔۔۔۔ لالہ بھی بچھڑ چکی تھی، لالہ تم کہاں ہو؟ یہ دیکھو میں بہت سی تتلیاں پکڑ کر لایا ہوں ——— میرا جی چاہا کہ میں مر جاؤں لیکن میں مر نہ سکا ۔۔۔۔۔ میں زندہ رہ گیا ——— شاید ٹھوکریں کھانے کے لئے ۔۔۔۔۔ اُف! میں ایک طویل مدت تک کیمپ میں رہا، اور اپنی مصیبتوں کا آپ ہی ماتم کرتا رہا۔ پھر ایک دن کیمپ میں ایک امیر آدمی آیا۔ اُسے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ——— مجھے میرے ابا یاد آ رہے تھے۔ اس نے مہاجرین کی بہبود کے لئے کچھ رقم نگران کو دی ——— آہ! میں اس کے ساتھ کس طرح اور کیونکر آیا ۔۔۔۔۔ مجھے خوب یاد ہے۔

میں نوکر تھا اور وہ میرا آقا ——— اور پورے کنبے کے احکام کی تعمیل میرا فرض تھا ——— میں نے خود اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کیا تھا، اب دن بھر برتن مانجھتا ہوں، جھڑکیاں سُنتا ہوں، اور میرے جسم کو دیکھو ۔۔۔۔۔ یہ کس قدر مجروح ہو چکا ہے، میں کیوں زندہ رہا، مجھے مر جانا چاہیئے تھا ——— ذلّت و خواری ——— افلاس و نکبت! دنیا سیم و زر کی جھنکار کا نام ہے ——— میں تہی دست اور تہی کیسہ ہوں، مظلوم ہوں، مجبور ہوں، لیکن ۔۔۔۔۔ ؎

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

۔۔۔۔۔ میں مفلس تھا، غریب تھا، شاید اس لئے تلخیاں میرے ذوقِ حیات میں رچ کر رہ گئیں، جب میری بے رنگ آنکھیں زندگی کو بے لبس دیکھنا چاہتیں تو آقا کی سختیاں میرے حوصلۂ حیات پر تاریک بادل کی طرح چھا جاتیں ——— میں ان گھناؤنی چادروں کو چاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا، مگر ہر کام پر مجھے ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ——— جب چھوٹے میاں فیل ہوئے تو میری نحوست کی وجہ سے ——— جب مکان میں آگ لگی تو اس کا ذمہ وار میں تھا، گھر میں چوری ہوئی، تجارت میں نقصان ——— تو نزلہ میرے اُوپر گرا ——— گھر والوں کی نظروں میں گناہ گار اور منحوس تھا ——— اُف! میری تمناؤں کو ٹھکرا دیا جاتا، میں زندگی کی ان بوسیدہ اُلجھنوں میں کھو جاتا، اور ایسا کھوتا کہ گھنٹوں اُن کو سلجھانے کے لئے خیالی دنیا میں ڈوبا رہتا ——— میں سوچتا رہتا کہ کیا زندگی صرف بے چینی، بے کسی، مجبوری، بزدلی اور ناکامی کے گٹھ جوڑ کا ہی نام ہے۔ کیا مسکراہٹوں اور خوشیوں کا وجود دُنیا میں میرے لئے موہوم اور مانند سراب ہے؟ میں اکثر عالمِ تنہائی میں سوچتا کہ زمانہ کتنا بے درد ہے ——— میں اس دُنیا میں اب کیوں خوش نہیں رہ سکتا؟ ——— وہ رُوح جو کبھی مسرت اور بے فکری کے قالب میں رہتی تھی، اب خود دُکھوں کا گھر بن کر کیوں رہ گئی؟ ——— کیا صرف اس لئے کہ میرے پاس چند سکوں کے ٹکڑوں کی جھنکار نہیں جو انسان کو دوستوں سے ایسے گھیر دیتے ہیں جیسے تالاب میں کنول ——— اس سے پیشتر میری زندگی کتنی شاداب اور خوشکن تھی۔ ایک تالاب کے پانی کی طرح پُرسکون! مگر زمانے کے انقلاب نے اسے درہم برہم کر دیا ——— میں اپنی راہ پر جا رہا تھا، مگر وقت کی نزاکت نے اور زمانے کی ستم ظریفیوں نے مجھے اپنی منزل سے دُور ——— بہت دُور ——— نہ جانے کِن اُلجھنوں والے راستے پر گامزن کر دیا ———

آہ! کتنی بے کیف ہے میری زندگی ——— اُف! کتنی ویران ہے میری دُنیا ——— میری زندگی نے الاپنے کی دھن بدل لی ہے۔ جس میں تنزل ہے ——— افسردگی ہے ——— احساس

ناکامی ہے —— درد، مظلومی کی فریاد سراپا ——

میں آنسوؤں کی جلتی ہوئی بوندوں سے اپنی پیاس بجھاتا اور رنج و الم کی بھٹیوں میں بیٹھ کر اپنی زندگی پر آہ و زاری کر لیتا۔

میں اپنے اس ماحول پر فتح پانے کے لئے تعصب کی چنگاریوں اور سلگتے ہوئے شعلوں کو بجھانے کی ہزار کوشش کرتا —— مگر بے سود —— اچھا ہوا یہ منحوس نصیبوں والے گھر سے نکل بھاگا —— اس نے اپنی تکلیفوں کا کچھ ازالہ کر لیا ——"

اور اُسی دن صبح کو جب آفتاب عالمتاب کی کرنوں نے باورچی خانے میں جھانکا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ چولہا ابھی تک ٹھنڈا پڑا تھا، اور گھر میں عجیب کہرام مچا ہوا تھا —— ایک طرف بچوں کا شور و غوغا، دوسری طرف ماں باپ کی خفگی کا ہنگامہ —— چولہے کو گرم اور باورچی خانے کو صاف کرنے والا —— دور —— بہت دور —— ندی میں پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا تھا، وہ پانی کی مترنم لہروں سے کھیل رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ وہ آزاد ہے —— بہتے ہوئے پانی کی طرح اور اڑتے ہوئے پرندوں کی طرح —— اتنے میں اس کے کانوں میں ایک آواز سی آئی، یہ جانی پہچانی آواز تھی، یہ اس کے صاحب کی آواز تھی —— فی الحقیقت اس کا صاحب کچھ دور فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ قدرے گھبرایا —— اُٹھا مگر لڑکھڑایا —— اور ندی میں گر پڑا۔

ندی کے پانی میں کھلبلی سی پیدا ہوئی —— اور پانی کے شور نے تھوڑی دیر کے لئے جنگل کے سکوت کو توڑ دیا —— پانی اپنی اصلی حالت میں بہنے لگا —— اور ہر طرف بھیانک خاموشی چھا گئی ——

ستم ظریفی قدرت نے تہمتوں کے لئے
امانتاً مرے قبضے میں زندگی دیدی

سعید بٹ

غزل

تمنا لٹ گئی خاموش ہوں میں
شرابِ غم سے کچھ مدہوش ہوں میں

خزاں لے چل مجھے بھی ساتھ اپنے
ہوئی مدت ترا ہمدوش ہوں میں

رفیقوں کی وہاں بزمِ طرب ہے
سیاہ ماتم لبادہ پوش ہوں میں

کدھر تم ڈھونڈتے ہو میں کدھر ہوں
ابھی راہوں میں ہی روپوش ہوں میں

نشیمن جل رہا ہے آج اے کاش
سعید اوچھا شعلہ کوش ہوں میں

پروفیسر صوفی عبدالعزیز ایم اے
ایم۔اے۔او کالج لاہور

پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب ایم اے

کی وفات حسرت آیات پر

اُن کے ایک پرانے رفیقِ کار کے جذبات

آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا
پیکرِ علم و عمل، لطف و صفا — طوطیِ شیریں بیاں، نغمہ سرا
طالبانِ علم کا وہ رہنما — یعنی عبدالقادرِ رنگیں نوا
آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا
ماہرِ تعلیم انگریزی تھا وہ — مخزنِ نیکی و خوش گوئی تھا وہ
حاملِ صد شانِ محبوبی تھا وہ — تھا وہ عالم، فاضل، عابد، پارسا
آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا
محترم حضرت میاں[۱] ہیں اشکبار — دل کا ان کے لُٹ گیا صبر و قرار
کیوں نہ ہو جب چھن گیا اب جاں نثار — صاحبِ اخلاص و اخلاق و وفا
آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا
شاہد[۲] و محبوب[۳] کا دلدار وہ — تھا بشارت[۴]، خان[۵]، عطا[۶] کا یار وہ
بو علی[۷]، جنید[۸] کا غمخوار وہ — اور سب اسٹاف کا وہ دلربا
آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا
جنت الفردوس ہیں اس کا مقام — رحمتیں اس پر خدا کی ہوں مدام
ہم سبھوں سے ہوں اسے صدہا سلام — جس پہ جاں قربان تھی دل تھا فدا
آج ہم سے ہائے رخصت ہو گیا

ﮨ۱ مکرم حضرت میاں ناصراللہ صاحب ایم۔ اے (آکسن) پرنسپل۔ ﮨ۲ مکرم پروفیسر سلطان محمود صاحب شاہد۔ ﮨ۳ مکرم پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد۔ ﮨ۴ مکرم پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب۔ ﮨ۵ مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب۔ ﮨ۶ مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب۔ ﮨ۷ مکرم پروفیسر محمد علی صاحب فلاسفر۔ ﮨ۸ مکرم جنید صاحب ہاشمی ؎

سمیع اللہ قریشی ایم۔اے

نبضِ دل!

پلکیں بوجھل لب خاموش اور نم آلود نگاہیں
تم افسردہ کیوں ہو آخر تم ہی مجھے سمجھاؤ
دکھ کی باتیں درد کے نالے غم کے گیت پرانے
اپنا دل واقف ہے اُن سے اب کچھ اور سناؤ
وقت کے دھارے ساتھ میرا دیتے آئے ہیں اب تک
لیکن آخر لے ڈوبیں گے یہ دھارے میں ناؤ
مَیں پردیسی دُور دیس سے آنے والا راہی
مَیں تو خود گھبرایا سا ہوں مجھ سے مت گھبراؤ
زیست اب اس منزل پر آ پہنچی ہے جہاں گویا
ہر سلجھاؤ بن جاتا ہے ایک نیا الجھاؤ
اپنا ٹھنڈا ہاتھ میرے دل کی نبضوں پر رکھ دو
شمع کی لو کو اونچا کر دو اور قریب آ جاؤ

قاصد ظریف

تلخیاں

"خدا تجھے بھی کسی غم سے آشنا کر دے"

خدا کرے تری آنکھوں کی نیند اُڑ جائے
تمام رات تری بے قرار سی گذرے
کسک سی دل میں اُٹھے اور آنکھ بھر آئے
ہر ایک رات ترے سر پہ بار سی گذرے
تڑپ تڑپ کے تری زندگی کی رات کٹے
کشاکشِ غمِ پنہاں میں ہر گھڑی گذرے
ترا شباب تری زندگی کا بوجھ بنے
کسی خیالِ پریشاں میں ہر گھڑی گذرے
خدا تجھے بھی کسی غم سے آشنا کر دے

لطف رسول محمود

اُردو کا جدید قاعدہ

(سب سے معذرت کے ساتھ)

ا ۔ امتحان سے

نہ ہوئی گر مرے پرچوں سے تسلی نہ سہی
امتحان دینے چاہیں دو نہ سہی تین سہی

ب ۔ بیکاری ۔ ایک عظیم پیشہ جسے کئی ہونہار گریجویٹوں نے بھی اپنا رکھا ہے !

پ ۔ پولیس سے

نقوی جیب کترنے والے تھانہ میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا جہاں پولیس نہیں ہے !

ت ۔ تعلیم سے

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر
شوہر پرست بیوی پبلک پسند لیڈی !

ث ۔ ثبات ۔ جو آج تک نہ کسی وزارت کو نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا ۔۔۔ باقی رہے نام اللہ کا !

ٹ ۔ ٹال مٹول ۔ ایک مشروب دفاتر میں درخواستوں کی جس سے خاطر و مدارات کی جاتی ہے !

ج ۔ جیب کترے ۔ ہمارے پاکیزہ معاشرے کا اہم جزو !

چ ۔ چچا غالب جن کے بلند پایہ دلکش دیوان سے دلی محبت گذشتہ سال ہماری حسرت ناک ناکامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی !

ح ۔ حاجی سے

اگر قدر بوجھ تھا گناہوں کا
حاجیوں کا جہاز ڈوب گیا

خ ۔ خادمِ قوم ۔ جن کی "مخلصانہ اور بے لوث" خدمت مقصد براری اور مطلب طرازی کے بعد تھک کر دم توڑ دیتی ہے !

د ۔ دل سے

قرار و ہوش و صبر کر گئے ہڑتال
ہمارا دل نہ ہوا ایک کارخانہ ہوا

ذ ۔ ذاتی لیاقت ۔۔۔ ایک تر نوالہ جسے اقربا نوازی کے خوفناک جبڑے میں ہڑپ کر "ثوابِ دارین" حاصل کیا جاتا ہے !

ڈ ۔ ڈاکٹر ۔۔۔ خدمتِ خلق کا وہ پیکر ۔۔۔ جو کمال شفقت سے مریض کی رگوں سے خون ۔۔۔ اور ہڈیوں سے فاسفورس نکالنے کے بعد جسم سے جان بھی کھینچ لیتا ہے !

ر ۔ روزہ ۔۔۔ آج جس کی حیثیت محض ایک دلچسپ واقعہ کی سی رہ گئی ہے ۔ افسوس صد افسوس !

ز ۔ زعفران زار ۔۔۔

زعفران زار مرے دل میں ترے لے کو لکھا
میرا دل یہ بھی کوئی شہر کا بٹوارہ رہا ہے

ژ ۔ ژاژ خائی ۔۔۔ جو اکثر طالب علموں کا "اضافی" مضمون ہے ۔

س ۔ سفارش ۔۔۔ ایک تیر بہدف نسخہ جس کے استعمال سے "نکموں کا بھلا ہوگا" !

ش ۔ شاعری ۔۔۔ یہ صنف ادب ۔۔۔ ایک دوا ۔۔۔ [illegible] ہے کہ جو شعر و نغمہ جفاؤں کی بلا کو ... التفات

ص ۔ صحافی ۔۔۔۔۔ ؎

سخت بدبخت ہے اس دور میں وہ اہلِ قلم

جس کی تقدیر میں لکھا ہو صحافی ہونا!

ض ۔ ضبطِ تولید ۔۔۔۔ ایک عجیب کھاد جسے دماغی کارخانوں میں تیار کیا گیا ہے ۔ اسے اب مسئلۂ قلتِ خوراک کے بنجر اور غیر آباد کھیتوں میں ڈالا جانے لگا ! ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

ط ۔ طالب علم ۔۔۔۔ کاش خدا تعالیٰ اس سے پیٹ چھین لے ۔۔۔ کیونکہ محض تنورِ شکم کے شعلوں کو سرد کرنے کے لئے اس نے تحصیلِ علم کو سبیلِ رزق تصور کر لیا ہے ! علم کی معراج !!

ظ ۔ ظرافت ۔۔۔۔ خدا تعالیٰ پر گستاخانہ حملوں کی عامیانہ سازش ۔۔۔۔ جو کسی شعر کے بلند پایہ ہونے کا معیار بن چکا ہے ! شاعری کی معراج !!

ع ۔ عُقابی رُوح ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں

تو ہر ٹالیں گرا دیتی ہے سالے کارخانوں میں

غ ۔ غزل خواں ؎

دیکھیں گے لوگ ہمیں بھی غزل خواں بنا ہوا

ہوتے رہے یونہی اگر دو چار سال فیل !

ف ۔ فلم ؎

جب ہاتھ میں پیسے ہوتے ہیں فلموں کا نظارا کرتے ہیں

جب گھر میں فاقہ ہوتا ہے اللہ کو پکارا کرتے ہیں

ق ۔ قلم ۔۔۔۔ موجودہ زمانہ میں جس سے انسانیت کو سب سے زیادہ فائدہ اور سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے !

ک ۔ کلرکی ؎

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر ! بھتیجی بھیجوں کو زر سے آشنا کر !

جسے پی لے گی ڈگری ہو پڑے بیٹے "بابو کلرکی" بھی عطا کر !

انہیں رشوت کی عادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی

نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں ہو کر !

ل ۔ لیڈر ؎

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ

رنج لیڈر کو بہت ہیں مگر آرام کے ساتھ

م ۔ مُلّائے عصرِ حاضر ۔۔۔۔ کشتیٔ اسلام کا وہ ناخدا ۔۔۔ جو بیک وقت دو مختلف کشتیوں میں تشریف فرما ہے ۔۔۔ جس کا سر کراچی میں ۔۔۔ ٹانگیں محراب میں ۔۔۔ جسم منبر پر اور ہاتھ بیلٹ بکس پر ہے ۔ ع

دل میں لندن کی ہوس لب پہ ترے ذکرِ حجاز

کی مجسم تفسیر !

ن ۔ نزلہ ؎

بیماریوں کے سامنے ہیں ہم چل کے جوان ہو گئے ہیں

کھانسی زکام نزلہ قومی نشان ہمارا !

و ۔ وکیل ؎

پیدا ہوئے وکیل تو ابلیس نے کہا

لو آج ہم بھی صاحبِ اولاد ہو گئے

ہ ۔ ہذا من فضلِ ربّی ۔۔۔۔ رشوت کے پیسوں سے بنے ہوئے فلک بوس مکانات کا سرنامہ !!

ی ۔ یاجوج ماجوج ۔۔۔۔ ایک عظیم نجات دہندہ ! جس کے دستِ کرشمہ ساز نے ایٹم بم ۔۔۔ ہائیڈروجن بم ۔۔۔ کوبالٹ بم اور سُپر ہائیڈروجن بم ۔۔۔۔ کو محض اس لئے تیار فرمایا ہے تا بوقتِ ضرورت ناگاساکی اور ہیروشیما کی داستان دہراتے ہوئے مظلوم انسانوں کی تلخ زندگی کی صعوبتوں سے نجات دلائی جائے !!

شمع ۔۔۔ اوچا گردو اور ۔۔۔

تفضیرِ بے منہ لٹکائے واپس آنے لگے ۔ اُس وقت یہ شعر زبان پر جاری ہوا ؎

نکلنا خلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

وہاں ——— مئی کا پہلا ہفتہ غور و خوض میں گزر گیا ——— دوسرا ہفتہ پروگرام طے کرتے کرتے ختم ہُوا ——— مئی کا تیسرا ہفتہ پروگرام طے ہونے کا معرکہ سر ہونے کی خوشی میں گزر گیا ——— مئی کا چوتھا ہفتہ اس بے پایاں مسرت کے انہضام میں خرچ ہوگیا ——— اور اس دَوران میں ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا! چنانچہ ہم لٹھ لیکر صبر کا پیمانہ خالی کرنے اُن کے گھر گئے ——— انہوں نے ہمارے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ وارد کر لی اور کھڑکی سے جھانکا ۔ ہم نے لٹھ سے دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے دروازہ کھولا ——— بڑے آرام سے بٹھایا ۔ پانی وانی دیا ۔ ہم نے مزاج پُرسی کے بعد لٹھ کی آمد کا تذکرہ کیا اور اس کی آمد کی وجوہات بیان کیں ۔ انہوں نے معذرت کی ۔ ہمارا مزاج بخیر ہُوا حضرت نے دیکھا کہ اب خیریت ہے تو فرمایا کہ ”میرا ارادہ ہے کہ اسے کامل یکسوئی سے لکھوں کیوں کہ اِس دفعہ تمام مضامین بڑے اعلیٰ ہیں اور خصوصاً آپ . . . .“ چنانچہ جون کا پہلا ہفتہ کامل یکسوئی اور سکونِ قلب حاصل کرتے کرتے گزر گیا ——— اس کے بعد ہماری باری آئی ——— ع

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے !

باری کیا آئی ساتھ ساتھ عذراتِ لنگ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا ۔ ایک دن اپنے انتہائی قیمتی لمحات قربان کر کے اُن کے گھر گئے ۔ ان کو دیکھا کہ دوسرے رسائل لکھ رہے ہیں ۔ ہم نے کہا کیوں حضرت ! آپ کو دل کا عارضہ ہے ابھی سکونِ قلب نہیں ہوا ۔ ہمارا ڈیکلریشن منسوخ کروا کے شاید آپ کو سکونِ قلب نصیب ہوگا ؟“ ——— انہوں نے بڑی تسلی سے فرمایا ۔ ”آج آندھی آئی تھی اور میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کے رسالہ کی کاپی پر گرد کے ذرّات جمع نہ ہونے پائیں . . . . .“ ہم نے مناسب سمجھا کہ یہاں تو

”اُن اپنا پُرانا پاپی ہے . . . .“ اب کیا ہو سکے گا ۔ اُٹھ آئے ——— آپ نے ہمیں آتی دفعہ یہ کہا کہ میں جنید صاحب کو ٹیلیفون کروں گا کہ اِن چھوکروں کو سمجھائیں خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں ———

ہم نے یہ شعر پڑھا اور بات اَن سُنی کر دی ؎

تم سمجھے کہ رہا رنگِ تغافل یکساں !
ہمیں چھوٹے کہ خموشی سے فغاں تک پہنچے

تیسرے دن ہم پھر لٹھ لیکر گئے ——— چار پانچ صفحات قلم بُرد ہو چکے تھے ۔ یہ دیکھ کر ہماری باچھیں کھل گئیں ——— دل باغ باغ ہوگیا ۔ مگر بعد میں فوراً داغ داغ ہوگیا ——— وہ اس لئے کہ آپ نے بڑے بھولپن سے خاص ہمدردانہ لہجے میں فرمایا ——— ”فلاں شاعر کی غزل اگر آپ نے آدھے صفحہ پر دے دی تو سمجھئے کہ آئندہ غزل میسر نہ آئے گی لہذا ان کو پورا صفحہ دینا ضروری ہے ۔“ منوّر میاں نے سوچا کہ بات تو صحیح ہے اگر یہ غضب ہوگیا تو اگلے شمارہ کے لئے ہمارا کشکول اُن کی بلند پایہ غزل سے ——— چنانچہ انہوں نے کہہ دیا ”اچھا“ ۔ اُن کے چہرہ پر مسرت کے آثار باوجود ضبط کی ناکام کوشش کے ظاہر ہو گئے ——— اور ہمارے پیٹ میں چوہے دَوڑنے لگے کہ ع

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ؟

جب سوچا تو معلوم ہُوا کہ انہوں نے یہ ڈھکوسلا محض ایک صفحہ کو موٹے قلم سے گھسیٹ کر نجات پانے کے لئے چھوڑا ہے ۔ ہم بہت پچھتائے مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت ! ایک دن پھر گئے تو دیکھا کہ افسانہ لکھا جا رہا ہے ——— انہوں نے سوچا کہ وہاں تو غزل تھی کہ اس کے احترام میں داؤ چل گیا ——— اب افسانہ ہے اب کیا شگوفہ چھوڑا جائے ——— تھوڑی دیر بعد گویا ہوئے کہ ”افسانوں کی جان تو فقرات کے بعد آنے والی لکیروں کی لمبائی (LENGTH) ہوا کرتی ہے ——— “ چنانچہ میرے انکار کے باوجود انہیں افسانہ ”منہ پھٹ“ درج پر اصرار رہا ——— میں دیر تک ان کی مسیحائی کے متعلق سوچتا رہا واضح ہو کر ہم اس قسم کی متعدد و نامعلوم ... لکھا کر ... لقات

اور لطف و کرم کے عالم میں ہوئے سے

جفائیں ہم پہ کیں اتنی مہربانی کی حالت میں
خدا جانے اگر تم خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

اگرچہ اس قسم کے متعدد احسانات کے بارِ گراں کے نیچے ہماری گردن پسک رہی ہے مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں ہمیں تو المنار پر وارد ہونے والے اعتراضات کے رد کیلئے زبانی طور پر کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ مگر اس دفعہ تو ساری طاقت کاتب صاحب کی خوشامد میں ضائع ہو گئی ہے اب دیگر محسنوں کو کیا جواب دیں گے آہ سے

تجھی نے اے غمِ دوراں لہو نچوڑ لیا
بچا نہ کچھ غمِ جاناں کے نشتروں کیلئے!

امید ہے ان خیالات کے آزادانہ اظہار پر جناب کاتب صاحب مجھے معاف فرمائیں گے کیونکہ ع

احوالِ غمِ دل ہے شکایت تو نہیں ہے

محمود

☆

حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

راجہ محمد یونس متعلم درجہ ثالثہ (بی۔ ایس۔ سی) کی عین عنفوانِ شباب میں افسوسناک وفات پر ہمیں سخت صدمہ ہوا ہے۔ اس کالج میں مرحوم کا تعلیمی عرصہ اگرچہ مختصر ہے مگر پھر بھی وہ اپنے پیچھے نیک اور پُرخلوص یاد چھوڑ گئے ہیں۔ راجہ صاحب ایک شریف النفس، ملنسار، محنتی اور ایک مثالی طالب علم تھے۔

ان کے افسوسناک انتقال کے ناقابلِ برداشت سانحہ پر ہم مرحوم کے غمزدہ لواحقین سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ نیز دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صبرِ جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرما کر اسے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(طلبہ درجہ ثالثہ)

تقویٰ کا بلند مقام

(بقیہ صفحہ ۵)

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ ۔ مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
مسلمانو بناؤ تام تقویٰ ۔ کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ
مجھے تقویٰ سے اس نے یہ جزا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

موت!

"دنیا کے عجائبات میں جو عجوبہ سب سے بڑھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے چو طرفہ لوگوں کو مرتے دیکھتا رہتا ہے لیکن اپنے لئے سمجھتا ہی نہیں کہ میں بھی مرنے کی چیز ہوں"

(مہابھارت ۔ وید مشر)